غلامی کی جدید اشکال اور انسدادِ غلامی

سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی کے تناظر میں

ڈاکٹر عبد الغفار*

ABSTRACT

Islam is the best protector and flag bearer of the human rights but presently Muslim societies are facing various forms of modern slavery such as colonial supremacy, child labour, discriminatory customs against women, human trafficking etc. These issues should be handled in the guidance of Seerah of the Prophet (SAW).

The slavery, in vogue, in the era of the Prophet (SAW) was gradually eliminated from the society as many virtues and bounties were quoted in the Holy Quran and Hadith for releasing slaves that no other noble deed would hardly match it. Islamic teachings encourage to set the slaves free in *Karfarat* (expiates) like in violating *Saum*, *Qatl*, *Tahara*, *Qasam*, *Zihare* etc. The Prophet (SAW) is quoted to have said that if someone punishes his slave unjustifiably then the best *kaffarah* for him is to set him free.

Key words: غلامی،سدباب، غیر قانونی،بھائی چارہ،المعجم المفہرس،مقننہ

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور، (نارووال کیمپس)

قرآن مجید نے اپنی تعلیمات کے ذریعے اپنے رسول ﷺ کو ایسے احکام دیئے اور رسول ﷺ نے ان ہدایات کو ایسے عملی اقدامات میں ڈھالا کہ غلامی کے ادارے کے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جانے کی راہ ہموار ہو گئی۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو دوسری اخلاقی برائیوں کی طرح یہ بھی پورے عروج پر تھی۔ الہامی شریعت کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ معاشرتی برائیوں کی اصلاح بتدریج کرتی ہے۔ اللہ کے نبی پہلے لوگوں کے نظریات، عقائد اور سوچ میں تبدیلی لاتے ہیں یعنی ذہنوں کو اس تبدیلی کے لیے تیار کرتے ہیں پھر پابندی لگاتے ہیں جیسا کہ شراب وسود کے معاملہ میں ہوا۔ یہی حکمت عملی قرآن کریم نے غلامی کی رسم بد کو ختم کرنے کے لیے اختیار کی، اور مساوات انسانی کا درس دیا اور لوگوں کے لیے حقوق متعین کیے۔

قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ کی تعلیمات کی صورت میں انہی تدریجی احکامات کا نتیجہ ہے کہ غلام بنانے کا عمل ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ آج روئے زمین پر کہیں بھی اس جاہلی رسم غلامی کا وجود نہیں رہا جو طلوعِ اسلام کے وقت رائج تھی۔ غلامی کے حوالے سے ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اتنے زیادہ احکام اور اصلاحات کے باوجود، مسلمانوں کی کم وبیش ہزار ہا برس کی حکمرانی میں غلامی کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی۔ بالآخر یورپ و امریکہ نے بلکہ امریکی صدر ابراہام لنکن (1809ء-1865ء) نے اسے غیر قانونی قرار دیا۔ یہ اعتراض اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن یہ کمزوری ہمارے دین اور شریعت کی نہیں بلکہ ہمارے حکمرانوں کی ہے جنھوں نے اپنی کمزور قیادت کے باعث اللہ تعالی کے احکام کی اس طرح پاسداری نہ کی جس طرح کہ اس کا حق تھا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ اعزاز جو اصل میں اسلام اور مسلمانوں کا فخر بنتا تھا، ابراہام لنکن نے حاصل کر لیا۔

دور حاضر میں غلامی کی جدید اشکال موجود ہیں جیسے کہ قرض کی بنا پر جبری مشقت، جاگیردارانہ نظام میں جاگیرداروں کے کھیتوں میں نسل در نسل کام کرنے والے زرعی کسان، رقم لے کر یا کسی اور حوالہ سے بیٹیوں کو دوسروں کے سپرد کرنا، بچوں کی مشقت و مزدوری، انسانی سمگلنگ وغیرہ۔ مقالہ ہذا میں انہی پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مطالعہ سیرت النبی کی روشنی میں اس مسئلہ میں رہنمائی حاصل کی جائے گی۔

دین اسلام دنیا کا وہ واحد دین ہے جس نے حقوق انسانی کی بہت تاکید کی ہے۔ اس دین نے نوع انسانی کو جو حقوق و مراعات عطا کی ہیں ان کے مطالعہ کے بعد اکثر ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اس نے دوسری معاشرتی برائیوں کی طرح غلامی کی رسم بد کو ختم کرنے کی بجائے باقی کیوں رکھا؟ یہ سوال دراصل تب پیدا ہوتا ہے جب اسلام کی جائز کی ہوئی غلامی کو دیگر مذاہب واقوام کی غلامی پر قیاس کیا جاتا ہے۔ اسلام نے غلاموں کو جو حقوق عطا کیے ہیں اور معاشرے میں جو مقام دیا ہے اسکے بعد یہ محض نام کی غلامی رہ گئی حقیقت میں بھائی چارہ بن گئی۔ اس

بات کی تصدیق کے لیے ہم ذیل میں غلامی کے مفہوم، جواز اور غلاموں کو عطا کیے گئے حقوق کا جائزہ لیں گے۔[1]

غلامی کا مفہوم

لغت کی مشہور کتاب "اعجاز اللغات" میں لفظ غلام کے درج ذیل معنی بیان ہوئے ہیں:

غلام: زر خرید خادم، نوکر، بندہ

غلام بنانا: نوکر بنالینا، مطیع کرنا

غلامی: حلقہ بگوشی، بندگی، قید، اسیری، زبردستی سپردگی، تحویل

غلامی اختیار کرنا: ملازم ہونا، مطیع ہونا، اطاعت قبول کرنا، غلام بن جانا۔

غلامی میں دینا: خدمت میں دینا، خدمت کرنے کے لیے دینا، پیش کرنا۔[2]

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں غلام کے معنی ہیں لڑکا، نوکر، غلام، عبد۔ عبد کے معنوں میں یہ اکثر ایران اور ہندوستان کے اسمائے معرفہ میں ملتا ہے۔[3] المعجم المفہرس لالفاظ القرآن کے مطابق قرآن کریم میں لفظ غلام تیرہ مرتبہ آیا ہے۔ (آل عمرا ن 40 یوسف19، الحجر53، مریم7.8.19.20 ، الصافات10، الذاریات28، الکھف73.80.82،الطور 24)[4] ان میں سے آٹھ مقامات (آل عمران ، حجر ، مریم 7،8،19،21:،الصفت، الذریات) پر لفظ غلام بیٹے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور چار مقامات (یوسف19 ،الکھف73،8،12)پر بمعنی لڑکا آیا ہے جبکہ ایک مقام ایسا ہے جہاں غلام ہی کے معنوں میں لایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ : اور ان کے غلام (خدمت گار لڑکے) ان کے گرد پھریں گے گویا وہ موتی ہیں چھپا کر رکھے گئے۔[5]

اس آیت میں لفظ غِلمان استعمال ہوا ہے جس سے مراد ایسے غلام (لڑکے) ہیں جو جنت میں اہل جنت کی خدمت پر اللہ کی طرف سے مقرر کیے گئے ہوں گے۔ مولانا احمد رضا بریلوی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ غلمان

---

[1] ۔ محمد شفیع، مفتی، مولانا، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی14، طبع جدید مئی 1997ء، 24:8

[2] ۔ اعجاز اللغات، ادارہ تصنیف و تالیف سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور، طبع اول، 1998ء، ص:532

[3] ۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع اول 1982ء، 551:16

[4] ۔فواد، محمد، عبدالباقی، المعجم المفہرس لألفاظ القرآن الكريم، دار الكتب المصرية، 1366ھ، ص 504:

[5] ۔ الطور24:52

سے مراد ایسے لڑکے ہیں جنہیں کوئی ہاتھ نہ لگا ہو[1] حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اور ان کی خدمت کے لیے ایسے لڑکے آئیں گے جو صفائی اور خوبصورتی میں حفاظت کے ساتھ رکھے ہوئے موتیوں کی طرح ہوں گے۔[2] جس طرح قرآن کریم میں لفظ غلام متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے اسی طرح احادیث نبویہ میں بھی کئی مفاہیم کے لیے آیا ہے جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو ان کے ساتھ ان کا ایک غلام بھی تھا جو شاید پیچھے رہ گیا تھا اور آپ کے بعد آن پہنچا۔ اسے دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ سے فرمایا:

"یا أبا هريرة هذا غلامك آتاك."

"اے ابو ہریرہ یہ تیرا غلام حاضر ہے۔"[3]

اس حدیث میں آپؐ نے 'عبد' کی جگہ غلام کا لفظ استعمال فرمایا یہاں پر اس کا معنی غلام مجازی نکل رہا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث جو کہ عمر بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے اس میں الفاظ ہیں:

من ضرب غلاماً له حداً لم یاته او لطمه فان کفارته ان یعتقه.[4]

اس حدیث میں بھی لفظ 'غلام' مجازی غلام کے لیے آیا ہے۔ عمر بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ:

کنت غلاماً فی حجر النبی ﷺ وکانت یدی تطیش فی الصحفة فقال لی:

---

[1] ۔ بریلوی، احمد رضا، مولانا، کنز الایمان، حافظ کمپنی الوہاب مارکیٹ اردو بازار لاہور، س۔ن، ص: 588

[2] ۔ ابن عباس، عبد اللہ بن عباس، تفسیر ابن عباس مع لباب النقول فی اسباب النزول، مترجم: عابد الرحمن صدیقی کاندھلوی، کلام کمپنی مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نمبر 1، 3: 272

[3] ۔البخاری ،محمد بن اسماعیل، ابو عبداللہ، امام، صحیح بخاری، مکتبة دارالسلام،لاہور 1999ء، کتاب العتق، باب اذا قال لعبده هو لله و نوی العتق والاشهاد بالعتق، رقم الحدیث: 2530

[4] ۔ مسلم، مسلم بن حجاج،ابو الحسن، القشیری، امام، صحیح مسلم، مکتبة دارالسلام، لاہور1999ء ، کتاب الایمان، باب اذا قال لعبده هو لله و نوی العتق والاشهاد بالعتق، رقم الحدیث: 4299

يا غلام! سم الله، وكل بيمينك، وكُلْ مما يليك.[1]

"میں لڑکا (بچہ) تھا رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی گود میں تو میرا ہاتھ (کھاتے وقت) پیالے کے چاروں طرف گھومتا تھا۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا اے لڑکے، اللہ کا نام لے، داہنے ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا۔،،

اس حدیث میں لفظ 'غلام' لڑکا کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے اس حدیث میں خاص بات یہ ہے کہ اس میں 'غلام' لفظ دو مرتبہ آیا ہے پہلا خود عمر ابن ابی لیلیٰ نے اپنے لیے کہا جبکہ دوسری مرتبہ جو آیا ہے وہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کے لیے فرمایا اور دونوں ایک ہی مطلب "لڑکا" کے لیے آئے ہیں۔ اس مفہوم کی مزید وضاحت ایک اور حدیث میں اس طرح ہو رہی ہے :

عن عبدالرحمن ابی لیلی عن عبدالله بن عکیم قال قرئ علینا کتاب رسول الله بأرض جهينة وانا غلامُ شابُ: "ان لاتستمتعوا من الميتة باهاب ولا عصب"[2]

"رسول اللہ کا خط جہینہ قبیلے کے علاقے میں ہمارے سامنے پڑھا گیا اس وقت میں نوجوان لڑکا تھا اس میں لکھا تھا کہ مردار جانور سے نفع نہ اٹھاؤ، نہ اس کی کھال سے اور نہ اس کے گوشت سے۔"

اس حدیث میں غلام کے ساتھ شاب کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب ہے عین شباب میں۔ یہاں پر چونکہ نوجوان کے مفہوم کے لیے شاب کا لفظ آچکا ہے۔ اس لیے غلام کا مطلب ہو گا لڑکا اور ملا کر پڑھیں گے تو مطلوب ہوا نوجوان لڑکا۔ جبکہ ابن ابی لیلیٰ والی حدیث میں یہ دونوں مفہوم ایک ہی لفظ 'غلام' سے ادا ہو رہے ہیں۔ بالکل یہی انداز عمرو بن سلمہ کی روایت میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ:

عن عمرو بن سلمة قال: كنا بحاضر يمربنا الناس اذا أتوا النبی ﷺ فكانوا

---

[1] ۔ابن ماجه،محمد بن یزید، ابو عبدالله، القزوینی، امام، سنن ابن ماجه، مكتبة دارالسلام للنشر والتوزيع، طبع اول، 1420،1999ء، ابواب الاطعمة، رقم الحديث:3247

[2] ۔ابو داؤد ، سليمان بن اشعث بن اسحاق، الزدی ، حافظ ، امام، سنن ابی داؤد، مكتبة دارالسلام للنشر والتوزيع، ۱۹۹۹ء ،كتاب اللباس، باب من روی ان لايستنفع باهاب الميتة، رقم الحديث: 4127

اذا رجعوا مرُّو بنا فاخبرونا ان رسول الله قال، كذا و كذا- وكنت غلاماً حافظاً-[1]

"ہم ایسے مقام پر تھے جہاں لوگ آتے جاتے ٹھہرتے تھے توجب وہ رسول اللہ کے پاس سے ہو کر آتے اور ہم سے بیان کرتے کہ رسول اللہ نے ایسا اور ایسا فرمایا تو میں اس زمانے میں لڑکا تھا اچھے حافظے والا تو میں نے بہت سا قرآن یاد کر لیا۔"

گویا غلام کی سادہ الفاظ میں اس طرح تعریف کی جا سکتی ہے کہ ایسا شخص جو اپنی ذات پر اختیار نہ رکھتا ہو بلکہ اس کی زندگی کے تمام معاملات کسی ایسی ذات کے تابع ہوں جسے وہ دل سے یا صرف زبان سے بڑا، طاقت ور، اور مختار کل تسلیم کرتا ہو اور اس کے سامنے خود کو چھوٹا، کمزور اور بے اختیار جانتے ہوئے اس کے سامنے جھکتا ہو۔ ماضی میں غلامی مختلف اقوام میں ایک معاشرتی رواج کے طور پر رائج رہی ہے۔ رسم ورواج کسی بھی معاشرے کا اہم جزو ہوتے ہیں اور اسلام کے اجتہادی قوانین کا بھی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان معاشروں میں غلامی کو ایک عمومی حیثیت حاصل تھی اور دیگر رسم ورواج کی طرح یہ بھی تمام معاشروں میں رائج رہی ہے۔ شخصی غلامی میں ایک انسان اپنے ہی جیسے دوسرے انسان کے سامنے جھک جاتا ہے خود کو مکمل طور پر اس کے اختیار میں دے کر اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ بعض لوگ تعبدی اقوال واعمال کو بھی شامل کر لیتے ہیں جو صرف معبود حقیقی کا حق ہیں یہی در حقیقت شرک ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا اور نا قابل معافی جرم ہے[2] اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾[3]

"بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔"

غلامی کا آغاز واسباب

ابتدائی زمانے میں قبیلوں میں انسانی مساوات کا احساس نہ تھا۔ ایک قوم دوسری قوم سے یا ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے جنگ کرتا تھا۔ اس طرح جو قوم یا قبیلہ فاتح ہوتا وہ مفتوح قوم کی عورتوں، مردوں اور بچوں کا یا تو قتل عام

1۔ سنن ابي داؤد، كتاب الصلاة، باب من أحق بالإمامة، رقم الحديث: 585

2۔ احمد سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ندوۃ المصنفین قرول باغ نئی دہلی، س ن، 7:1

3۔ لقمان 13:31

کرتا یا غلام بنا کر قید کر لیتا اور ان سے اپنی خدمت کا کام لیتا۔ ایسے انسان غلام اور لونڈیاں کہلاتے۔ بہر حال فاتح قبیلے کو یہ اختیار ہوتا کہ وہ جس طرح چاہے مفتوح کو اپنے آرام و آسائش کے لیے استعمال کرے اس کی خواہش ہو تو مغلوب کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو اس کو قیدی بنا کر رکھے۔(1)

کئی قوموں میں یہ رواج تھا کہ مفتوح قوم یا قبیلے کے مرد قتل کر دیئے جاتے اور بچوں اور عورتوں کو زندہ رکھ کر اپنے گھروں میں ان سے کام لیتے۔(2)

مشہور عالم نیبور (Niebore) غلامی کے آغاز کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انسان کو جانور پالنے کی عادت ہوتی ہے اسی عادت نے بڑھتے بڑھتے انسانوں کو پالنے کی عادت کی شکل اختیار کر لی اور اس کو غلامی کہا جانے گا(3) ایک مشہور ماہر عمرانیات ہاب ہاؤس (Hobbe House) غلامی کے آغاز و اسباب کے بارے میں کہتے ہیں کہ جس زمانے میں تہذیب و تمدن کا پتہ نہ تھا اور انسانی طبائع پر وحشت و بربریت غالب تھی فاتح قوم یا قبیلہ مفتوح قوم یا قبیلے کے جنگی قیدیوں کو غیظ و غضب میں قتل ہی کر دیتا۔ لیکن پھر جب لوگوں کی اقتصادی اور معاشرتی ضرورتیں وسیع ہوئیں اور ان کو بلا معاوضہ مزدوری کی ضرورت پیش آئی تو اس وقت انہوں نے اس امر پر غور کیا ہو گا کہ جنگ کے قیدیوں کو قتل کرنے کی بجائے اگر زندہ رکھا جائے تو ان سے کئی معاشرتی و اقتصادی فائدے حاصل کیے جا سکتے ہیں(4) ایک اور مشہور ماہر عمرانیات مسٹر این اے گلبرٹسن اس بارے میں لکھتے ہیں کہ ایک انسان کی دوسرے انسان پر برتری قائم کرنے کے جذبے نے غلامی کو جنم دیا۔(5)

اب ہم غلامی کی مختصر تاریخ اور قبل از اسلام مذاہب میں اس کے ذکر پر کچھ روشنی ڈالیں گے:

ہندومت میں غلامی کا تصور

ہندومت چار انسانی طبقات پر مشتمل ہے: برہمن، کھشتری، ویش اور شودر۔ ان چاروں میں اعلیٰ ترین طبقہ تو برہمن ہے جبکہ انتہائی حقیر اور پست ترین طبقہ شودر ہے۔ دوسرے لفظوں میں شودر مذہبی لحاظ سے پہلے تینوں طبقوں کا غلام طبقہ ہے اور ہندی تعلیمات کی رو سے اس پر یہ فرض ہے کہ وہ پہلے تینوں طبقوں کا ہمیشہ خدمت گزار

---

[1]۔ اشرف آغا، اسلام اور غلامی، نذیر سنز پبلی شرز 40۔اے اردو بازار لاہور، 1987، ص 7 تا 9

[2]۔ کتاب مقدس: سفر 1:31-34

[3]۔ احمد سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص:10

[4]۔ اسلام اور غلامی، ص:8

[5]۔ ایضاً، ص:10

رہے۔[1] دھرم سوتر میں شودر کے بارے میں کچھ معلومات ملتی ہیں۔ گوتم یہ قرار دیتا ہے کہ شودر نوکروں کو اونچے ورن کے لوگوں کے استعمال شدہ جوتے، چھتریاں، کپڑے اور چٹائیاں استعمال کرنی چاہییں۔ گوتم کا یہ بھی قول ہے کہ بچا ہوا کھانا شودر نوکروں کے لیے ہے۔[2] ہندی مذہب کی اس طبقاتی تقسیم سے بخوبی اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ مذہب غلامی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ہندوؤں کے مذہبی قوانین کی رو سے شودروں کے لیے جو دفعات تھیں ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:۔

1. برہمن کے لیے جائز ہے کہ وہ شودروں کو اپنی خدمت پر مجبور کرے خواہ اس نے اس کو خریدا ہو یا نہ خریدا ہو۔
2. برہمن اگر کسی شودر کی چوری کرے تو اس کی سزا صرف یہ ہے کہ شودر کو مال کا تاوان دے۔ لیکن یہی جرم اگر شودر کرے تو اسے زندہ جلا دیا جائے۔
3. شودر اگر برہمن کو گالی دے تو اس کے منہ اور کانوں میں کھولتا ہوا تیل ڈال دیا جائے۔[3]

سنسکرت کی تمام مذہبی کتابوں میں غلامی کا ذکر موجود ہے۔ منوجی کی منوسمرتی کے مطابق غلاموں کی آٹھ اقسام ہیں جیسے جنگ میں گرفتار ہونا، نان و نفقہ کے لیے برضا و رغبت اپنے آپ کو کسی کی غلامی میں دے دینا، کسی لونڈی کے بطن سے پیدا ہونا، زرخرید غلام، بطور ہبہ یا تحفہ کے حاصل کرنا، وراثتاً پانا، سزا کے طور پر غلام بنا لینا، بھگت یعنی اونچی ذات کے ہندو کا خادم۔ ناروجی نے غلامی کی پندرہ اقسام گنوائی ہیں جن میں سے آٹھ یہی ہیں باقی میں سے اہم ترین قمار بازی میں ہار کر اور قرض ادا نہ کر سکنے کی صورت میں غلامی اختیار کرنا شامل ہیں۔[4]

غلاموں کے اندر پھر ان کے کام کی نوعیت سے ہندو دھرم نے تقسیم کر رکھی تھی۔ ایک تو وہ تھے جو گھریلو امور سر انجام دیتے جبکہ دوسری قسم ان غلاموں کی تھی جو غلیظ اور گندے کاموں کے لیے وقف تھے مثلاً اپنے آقا کو حالت برہنگی میں کپڑے پہنانا اور دیگر ایسے کام۔ قدیم ہندو قانون یہ بھی تھا کہ والدین اپنے بچوں کو فروخت کر

---

[1]۔ مطالعہ مذاہب عالم، ص:160

[2]۔ شرما، رام شرن، ڈاکٹر، شودر قدیم ہندوستان میں نچلے طبقوں کی حیثیت، مترجم جمال محمد صدیقی، کوئینز روڈ پٹیالہ گراؤنڈ لاہور، ص:16

[3]۔ احمد سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص:27

[4]۔ مطالعہ مذاہب عالم، ص:37

سکتے تھے یا بطور بخشش کسی کی غلامی میں بھی دے سکتے تھے۔[1]

یہودیت میں غلامی کا تصور

دنیا کے رائج الوقت مذاہب میں سے ایک اہم ترین مذہب یہودیت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہے۔ اس مذہب میں غلامی کی حقیقت وحیثیت پر گفتگو پیش خدمت ہے۔ تالمود کی رو سے یہودیوں میں غلامی کا عام رواج تھا۔ وہ خود بھی مصر میں رامسیس ثانی کے صدیوں تک غلام رہ چکے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو فرعون کی غلامی سے نکالا پھر ان کو بخت نصر بابل کے بادشاہ نے غلام بنالیا۔ توریت یہودیوں کی سب سے بڑی مذہبی کتاب ہے اس میں یہودیوں (عبرانیوں) کو غلام بنانے اور غلاموں کو آقا کی فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسرائیلی غلام چھ برس تک خدمت بجالانے کے بعد آزاد ہو جاتا لیکن غیر اسرائیلی غلام کی غلامی دائمی ہوتی[2]

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسری اقوام کی نسبت یہودیوں کے ہاں غلاموں کے حقوق زیادہ تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے ہاں غلامی کی مدت سات برس تھی اس کے بعد وہ آزاد ہو جاتا۔ بعض عبرانی تو اپنی باندیوں کو بیوی بنالیتے تھے اور پھر ان کو اپنے گھر کی ملکہ بنا کر رکھتے تھے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بعض غلاموں کا نکاح ان کے آقاؤں کی بیٹیوں سے بھی ہو جاتا تھا۔ یہودی مذہب میں غلاموں کے لیے جو حقوق اور رعائتیں تھیں وہ اسلام سے بہت ملتی جلتی ہیں۔

1. اگر کوئی شخص اپنے غیر یہودی غلام کے ساتھ برا معاملہ کرے گا تو اس کو مجبوراً غلام آزاد کرنا ہو گا۔
2. اگر آقا غلام آزاد کرنے کا منشاء زبانی طور پر ظاہر کرتا ہے تو غلام آزاد ہو جائے گا اور مالک اپنے الفاظ واپس نہ لے سکے گا۔
3. اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب قانون یہ تھا کہ اگر آقا نے اپنے غلام کی شادی کسی آزاد عورت سے کرادی یا اس کے سر پر کوئی تعویذ رکھ دیا، یا مذہبی کتابوں میں سے کسی کتاب کی تین آیتیں ایک مجمع کے سامنے پڑھنے کا حکم دیا، یا اس کو کسی ایسے کام کے کرنے کا حکم دیا جو صرف آزاد لوگوں کے لیے ہی مخصوص ہیں تو ان تمام صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کا آقا مجبور ہو گا کہ اس کو پروانۂ

[1]۔ احمد سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص:27

[2]۔ اسلام اور غلامی، ص:25

آزادی لکھ کر اور اپنے دستخط ثبت کر کے دے۔[1]

مندرجہ بالا بحث اور اس طرح کے دوسرے قوانین وضوابط سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہودی غلاموں کے ساتھ کس قدر نرم اور قابل رشک معاملہ کرتے تھے وہاں یہ بات بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ غلاموں کو کس قدر پست اور ذلیل تصور کرتے تھے کہ غلام بحیثیت غلام ہونے کے نہ تو اس قابل تھا کہ وہ کسی شریف عورت سے نکاح کر سکے، نہ اس لائق تھا کہ مذہبی مجمع کے سامنے مذہبی کتاب کی تین آیتیں تلاوت کر سکے اور نہ ہی اس بات کا حق دار تھا کہ اس کے سر پر ازراہ شفقت ومحبت کوئی تعویذ اس کا آقا اپنے ہاتھ سے رکھ دے ۔

عیسائیت میں غلامی کا تصور

حضرت عیسی علیہ السلام کے پیروکار ان کے نام کی مناسبت سے عیسائی کہلائے۔ عیسائی برادری بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کئی فرقوں میں بٹ گئی اور مختلف فرقے اپنے مفاد والے بیانات کو الگ کر کے اپنے حق میں دلیل کے طور پر پیش کرنے لگے۔ غلامی کے بارے میں مسیحی برادری کے متعلق مسٹر ایل۔ڈی۔ آگیٹ (LD Agate) لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات میں غلامی کی صاف طور پر مذمت کہیں بھی نہیں کی گئی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ غلامی کا مخالف گروہ اپنی تائید میں انجیل کی کسی ایک آیت کو بھی پیش نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف غلامی کا حامی گروہ اپنی تائید میں انجیل کے اصل متن (Scripture) سے استدلال کر سکتا ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے عہد کے سیاسی اور معاشرتی حالات کو پیش نظر رکھ کر ایسی تعلیمات دی ہیں جو عیسائی گرجا اور تاریخ کے دور میں خود بخود حالات کے مطابق ہیں۔ ان میں انہوں نے اس کے بھاگے ہوئے غلام اونیسیمس (Onisemus) کو حکم دیا ہے کہ پھر اپنے آقا کے پاس واپس چلا جائے۔ سینٹ پال اپنے پیام میں فائل میں سے درخواست کرتا ہے کہ اونیسیمس کا گناہ معاف کر دینا چاہیے لیکن نفس غلامی کی مذمت انہوں نے کہیں نہیں کی۔

انجیل مقدس میں کسی جگہ بھی غلامی کے خلاف کوئی حکم مذکور نہیں اور نہ ہی غلاموں کے ساتھ حسن معاشرت پر زور دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس غلاموں کو جگہ جگہ تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنے آقاؤں کی اطاعت کریں اور ان کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں۔ جیسا کہ حضرت عیسی کے ایک دوسرے حواری پطرس نے بھی غلاموں کو وصیت کی ہے کہ انہیں چاہیے ہر وقت اپنے آقاؤں کے اطاعت گزار و فرمانبردار بنے رہیں۔[2] مسیحی علماء غلامی

---

[1]۔ احمد، سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص:25

[2]۔ کتاب مقدس، پطرس کا پہلا عام خط:1-18

کو انسانی مساوات اور عدل کے خلاف سمجھنے کے بجائے اسے انسانی طبیعت کا تقاضا خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ انسانی فطرت ہے کہ ان میں بعض افراد احرار ہوں اور بعض غلام۔ غلاموں کے ساتھ عیسائی قوم کا معاملہ اچھا نہیں تھا۔ بازاروں میں ان کی کھلم کھلا تجارت کرتے تھے اور دیگر بازاری چیزوں کی طرح خرید و فروخت کرتے تھے۔ مختلف شہروں میں ان کے باقاعدہ بازار قائم تھے۔ زمین میں ان سے کاشت کاری کرواتے، سخت سے سخت کام لیتے، چھوٹی چھوٹی خطاؤں پر بری طرح زدوکوب کرتے اور سنگین سزائیں دیتے تھے۔[1]

عہد نامہ عتیق و جدید کی نصوص سے غلامی کا ثبوت

یہ امر کہ حضرت محمد ﷺ کی شریعت سے پہلے جو شریعتیں تھیں ان میں بھی غلامی مشروع تھی اور جو کتابیں ان شرائع کی جانب منسوب کی جاتی ہیں ان میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس بیان کی تصدیق کے لیے تو ریت کی بکثرت آیتیں جو اپنے مخالفوں کے غلام بنالینے پر دلالت کرتی ہیں ملتی ہیں۔ کتاب استثناء میں ہے: اور جب تو کسی قریہ کے پاس اس سے مقابلہ کرنے کو جائے تو پہلے اس کو صلح کی طرف بلا۔ پس اگر وہ قبول کرلے اور تیرے لیے دروازے کھول دے تو جتنے فرقے اس میں ہوں گے وہ اخلاص کریں گے، تیرے غلام بنیں گے اور تجھے جزیہ دیں گے۔[2] اور سفر عدد سے ماخوذ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام نے جب بارہ ہزار آدمیوں کو اہل مدین کے محاربہ کے لیے بھیجا تھا تو ان پر وہ غالب آئے تھے اور ان میں سے سارے مردوں اور پانچ بادشاہوں کو قتل کر ڈالا تھا اور ان کی عورتوں، بچوں اور مویشی سب کے سب کو گرفتار کر لیا تھا اور قریوں، دیہاتوں اور شہروں کو آگ سے جلا ڈالا تھا۔ پھر جب وہ لوگ واپس آئے تو موسی علیہ السلام غضب ناک ہوئے اور کہنے لگے کہ تم نے عورتوں کو کیوں زندہ رہنے دیا؟ پھر ہر لڑکے (مذکر بچہ) اور ہر شوہر دیدہ عورت کو قتل کرنے اور کنواری لڑکیوں کے باقی رکھنے کا حکم دیا۔ پس ان لوگوں نے ویسا ہی کیا جیسا موسی علیہ السلام نے حکم دیا تھا اور غنیمت میں چھ لاکھ پچھتر ہزار بکریاں، بہتر ہزار گائیں، اکسٹھ ہزار گدھے، بتیس ہزار کنواری لڑکیاں تھیں۔[3]

پس یہ آیت اس شریعت میں دشمنوں کے یہاں تک کہ لڑکوں اور شوہر دیدہ عورتوں کے قتل کے جائز ہونے پر دلالت کرنے کے ساتھ ہی غیر شوہر دیدہ عورتوں کے لونڈی بنالینے پر بھی دلالت کرتی ہے۔ سفر سموئیل میں

1۔ احمد، سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص:19

2۔ کتاب مقدس: استثناء 20:10۔11

3۔ کتاب مقدس: سفر 31:1۔35

ہے کہ مواب کے رہنے والے داؤد علیہ السلام کے غلام تھے اور ان کو خراج دیتے تھے۔(1) تیمتھس کی جانب پولس کے پہلے خط کے چھٹے باب میں تصریح موجود ہے کہ وہ تمام لوگ جو غلام ہیں راہ روشن کے نشان کے نیچے ہیں۔ پس انہیں چاہیے کہ اپنے سرداروں کو پورے اکرام کا مستحق سمجھیں تاکہ خدا کے نام اور اس کی تعلیم پر بہتان نہ باندھا جائے اور جن کے سردار مسلمان ہیں وہ ان کو حقیر نہ سمجھیں کیونکہ وہ بھائی ہیں بلکہ ان کی بہت زیادہ خدمت کریں اس لیے کہ جو فائدے میں شرکت رکھتے ہیں وہ فرمانبردار اور پیارے لوگ ہیں۔ پس اسی کی تعلیم دے اور اسی کا وعظ کہہ۔(2)

اس نص سے شریعت عیسوی میں غلامی کا ثابت و برقرار رہنا سمجھا جاتا ہے۔ اگر ان کے مالکوں کو ان کا غلام بنا لینا اس شریعت میں مشروع نہ ہوتا تو ان کو ان کی اطاعت و خدمت کا ہرگز حکم نہ دیا جاتا اس لیے کہ شرائع سے جو بات معلوم ہوتی ہے اس کے مکلف کو ایسی چیز کے کرنے کا حکم نہیں دیا جاسکتا جو خدا تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہو۔ اس سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ ان پر اپنے مالکوں کی اطاعت واجب ہے۔ اس کی اس امر کے ساتھ تخصیص کر دی گئی ہے کہ وہ ان کو حقیر نہ سمجھیں۔ اور پطرس کے پہلے عام خط کے پہلے ہی باب میں یہ تصریح موجود ہے کہ: اور غلام اپنے مالکوں سے پستی سے پیش آئیں، ان کو تمام چیزوں میں راضی رکھیں، ان کے خلاف کوئی بات نہ کہیں، ان کے ساتھ اچکاپن نہ کریں بلکہ پوری پوری نیکی کے ساتھ امانت سے پیش آتے رہیں تاکہ وہ ہمارے مخلص یعنی اللہ کی تعلیم کو تمام امور میں مزین کریں(3) اس نص کے مطابق غلاموں کے ذمہ اپنے مالکوں کی اطاعت واجب ہے یہاں تک کہ ایسے امر میں بھی کہ وہ خدا کی نافرمانی ہی کیوں نہ ہو مثلاً جب مالک اپنے غلام کو زنا کا حکم کرے۔ لیکن شریعت محمدیہ ﷺ میں اپنے مالک کی ایسے امر میں اطاعت کرنا غلام پر واجب نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ قاعدہ ہے کہ خالق کی نافرمانی کے ساتھ کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔(4) مگر یہ کہ اس پر جبر و زبردستی کی جائے اور اسے قتل وغیرہ کی دھمکی دی جائے تو اس وقت اس بارہ میں اس کا حکم غیر مملوک اشخاص کا سا ہے یعنی اگر ان پر زبردستی کی جائے تو گناہ زبردستی کی وجہ سے ان کے لیے مباح ہو جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مگر یہ کہ

[1]۔ کتاب مقدس، پولس کا پہلا عام خط 6:1۔2

[2]۔ کتاب مقدس، پطرس کا پہلا عام خط، 1:18۔24

[3]۔ الشعراء 151:26

[4]۔ النحل 106:16

کسی کو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔[1] اور پطرس کے مذکورہ پہلے خط میں یہ تصریح بھی ہے کہ اے خادمو! پوری ہیبت کے ساتھ اپنے مالکوں کے لیے پست ہو جاؤ۔ نہ فقط نیک اور نرمی کرنے والوں ہی کے لیے بلکہ سختی سے پیش آنے والوں کے لیے بھی۔[2] اس نص میں اگرچہ لفظ کے اعتبار سے غلاموں کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ خادموں کا ذکر کیا ہے لیکن یہ قول مالکوں کے لیے اس امر کو معین کرتا ہے کہ خادموں سے غلام ہی مراد ہیں اور اس نص میں اطاعت واجب کی گئی ہے یہاں تک کہ سختی سے پیش آنے والوں کے لیے بھی۔

پس جب اس قوم کے لیے جو شریعت محمدیہ ﷺ پر غلامی کے بارہ میں اعتراض کرتی تھی امور مذکورۃ الصدر ظاہر ہوئے اور ان کی اس شریعت (شریعتِ محمدیہ ﷺ) میں غلامی کے مشروع ہونے کی حکمت، اس کے حدود اور شریعت کی وہ عنایتیں اور رعایتیں جو اس نے غلاموں کے ساتھ مد نظر رکھی ہیں معلوم ہوئیں جن کی وجہ سے غلاموں کی راحت محفوظ رہتی ہے بلکہ کبھی کبھی ان کو نعمتیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں اور جو ان کی غلامی کی مدت کی کمی کا باعث ہو جاتی ہیں، کا علم ہوا اور انہوں نے موسوی و عیسوی شریعت کی ان نصوص میں بھی غور کیا جو غلامی کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ غلامی ان دونوں شریعتوں میں موجود تھی تو اس وقت وہ کہنے لگے کہ شریعت محمدیہ ﷺ پر اس بارے میں کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اس لیے کہ یہ عدل کے موافق حکم ہے اس میں دو ضرروں میں سے ادنیٰ درجہ کا ضرر اختیار کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ عقل کے موافق ہے اور اس میں شفقت ، رحمت اور انسانیت کی حتی الامکان رعایت مد نظر رکھی گئی ہے اور اس میں ضرورت کو اسی کے انداز پر رکھا گیا ہے۔[3]

قبل از اسلام سرزمین عرب میں غلامی کا رواج

جاہلیت کے زمانے میں عرب میں بالکل یہودیوں کی سی غلامی کا رواج تھا کیونکہ تیرہ سو قبل مسیح جب یہودی عرب میں داخل ہوئے تو وہ اپنے رسم و رواج ساتھ لائے اور وہی رواج اہل عرب نے اختیار کر لیے۔ انہی میں سے ایک غلامی کا رواج بھی تھا۔ یہودیوں میں غلاموں کی خرید و فروخت مذہبی طور پر جائز تھی۔ جاہلیت کے دوران اہل عرب میں بھی یہی دستور تھا۔ اس دور میں عرب میں کسی شریف عورت کا گھر غلاموں سے خالی نہ تھا۔ یہ غلام آقا کی خدمت بجالاتے تھے۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ کے بہت سے غلام تھے جو کہ حبشی تھے جن میں سے اکثر حربی

1۔ کتاب مقدس، پطرس کا پہلا عام خط، 1:24

2۔ اسحاق علی، محمد، سید، اسلام اور سائنس مترجم، ادارہ اسلامیات، لاہور 1984ء، ص: 511

3۔ ایضاً

خدمات انجام دیتے تھے یعنی آقا کے دشمن قبیلہ سے جنگ کرنا۔مال غنیمت میں غلام کو حصہ نہ ملتا تھا بلکہ وہ حصہ اس کے مالک کا ہوتا۔لڑائی میں قید ہونے والوں کو بھی غلام تصور کیا جاتا۔عبد اللہ بن جدعان تیمی جو حرب فجار میں قریش کا رئیس تھا، غلاموں کی تجارت کا ملک التجار تھا۔

جاہلیت میں عرب ایک دوسرے کو تحفے کے طور پر بھی غلام دیتے تھے جو دوسری چیزوں کی طرح ترکے میں وارثوں کو پہنچتے تھے۔ابولہب اور عاص بن ہشام نے جواء کھیلا شرط یہ تھی کہ جو ہار جائے جیتنے والے کا غلام بن جائے عاص ہار گیا اور ابولہب کا غلام بن گیا۔بشار بن عبد مشہور اسلامی شاعر اور اس کی ماں قبیلہ ازد کے ایک شخص کے غلام تھے اس شخص کی بنی عقیل میں شادی ہوئی تو بشار کی ماں کو مہر میں دے دیا گیا۔دور جاہلیت میں اگر کوئی عرب غلام خریدتا تو اس کی گردن میں رسی ڈال کر اسے گھر لے جاتا تھا۔[1] زمانہ جاہلیت میں عرب غلاموں کی چھ اقسام تھیں۔

1۔جنگ میں قید ہو کر آنے والے غلام

2۔خریدے ہوئے غلام

3۔قمار بازی میں ہارنے پر غلامی قبول کرنے والے

4۔قرض ادا نہ کرسکنے والے

5۔وہ غلام جو اراضی کاشت کرتے تھے اور اراضی کے بِک جانے کیساتھ ہی بِک جاتے۔روم کی قدیم سلطنتوں میں ان غلاموں کو سراف بھی کہا جاتا تھا۔

6۔ایک اور قسم کے غلام جن کا ذکر دور جاہلیت کے عربی غلاموں کی تاریخ میں آتا ہے، موالی کہلاتے تھے۔ یہودی مدینہ میں یمن کے عربوں اوس اور خزرج کے وطن اختیار کرنے سے پہلے مقیم تھے۔جب اوس و خزرج کے امیر مالک بن عجلان نے شام کے شاہ غسّان کی مدد سے مدینہ کے یہودیوں کو تنگ کرنا شروع کیا تو وہ اوس و خزرج کے موالی بن گئے اور حضور ﷺ کے زمانے تک موالی رہے۔موالی کی متعدد اقسام تھیں مثلاً مولیٰ العتاقۃ، مولیٰ العقد، مولیٰ النعمۃ، مولیٰ الرحم وغیرہ۔[2]

دینِ اسلام میں غلامی کا جواز

اسلام کا سب سے بڑا مستند اور جامع دستور العمل قرآن کریم ہے۔لہٰذا سب سے پہلے اسی میں غلامی کے جواز

[1]۔احمد سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت ص:109

[2]۔ایضاً

وعدم جواز کا جائزہ لیتے ہیں۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر غلاموں کا ذکر آیا ہے[1] انہیں آزاد کرنے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے متعلق بھی ارشادات ملتے ہیں لیکن کہیں بھی غلام بنانے کا ذکر نہیں ملتا۔ ہاں البتہ ایک جگہ جنگی قیدیوں کا ذکر ملتا ہے لیکن اس سے بھی یہ مراد نہیں ہے کہ انہیں غلام بنائیں اور ویسا برتاؤ کریں جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :

"کسی نبی کو یہ لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون نہ بہالے۔"[2]

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا اس آیت کے متعلق یہ خیال ہے کہ یہ غزوہ بدر کے قیدیوں کے متعلق نازل ہوئی جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کے مشورہ کو رد کر کے حضرت ابو بکرؓ کی رائے پر عمل فرمایا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے ان سب قیدیوں کو قتل کر ڈالنے کو کہا تھا جسے آپ ﷺ کی نرم خو طبیعت نے گوارہ نہیں کیا۔ جبکہ حضرت ابو بکرؓ کی رائے یہ تھی کہ جو فدیہ ادا کر سکتے ہیں وہ فدیہ دے دیں اور جو پڑھے لکھے ہیں وہ مسلمانوں کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے عوض آزاد کر دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہرگز نہ تھی کہ قیدیوں کو غلام سمجھ کر نفرت و حقارت کی وجہ سے انہیں جان سے ہی مار دو بلکہ یہ مصلحت کارفرما تھی کہ جب تک نبی کو زمین پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے اس کو یہ مناسب نہیں کہ اپنے پاس قیدیوں کو زندہ رکھے۔[3] لیکن جب اسلام غالب دین بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"جب تم مقابل ہو منکروں کے تو مارو گردنیں یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو ان کو تو مضبوط باندھ لو قید کر کے یا احسان کرو یا معاوضہ لو جب تک کہ وہ رکھ دیں لڑائی سے ہتھیار۔"[4]

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوئیں: اول یہ کہ جب قتال کے ذریعے کفار پر غلبہ حاصل ہو جائے تو اب بجائے انہیں قتل کرنے کے انہیں قید کر لیا جائے۔ پھر ان قیدیوں کو یا تو احسان کرتے ہوئے بغیر فدیہ چھوڑ دیا جائے یا معاوضہ لے کر۔ یعنی مسلمانوں کے حالات و ضروریات کے مطابق امام المسلمین کو یہ اختیار ہے کہ ان میں سے جو

---

[1]۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم ، دار الکتب المصریۃ، 1945ء، ص : 504

[2]۔ الانفال 67:8

[3]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، چودھواں ایڈیشن دسمبر 1980ء، 159:2

[4]۔ محمد 4:47

چاہے صورت اختیار کر لے۔[1]

قطع نظر اس سے کہ مسلم اور غیر مسلم غلاموں میں کبھی کبھی تمیز روا رکھی گئی ہے، فقہ اسلامی غلاموں کی صرف ایک ہی قسم کو تسلیم کرتی ہے بلالحاظ اس کے کہ یہ غلام کس نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی غلامی کا سبب کیا ہے۔ دستور غلامی صرف دوذریعوں کے سبب زندہ ہے اولاً یہ کہ کوئی پیدائشی غلام ہو، ثانیاً یہ کہ کوئی جنگی قیدی ہو۔ ان میں سے بھی موخر الذکر کا اطلاق مسلمانوں پر نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ مسلمان غلامی کی حالت میں تو رہ سکتا ہے لیکن غلام بنایا نہیں جاسکتا۔ لہٰذا قانوناً مسلمان غلام صرف وہ ہیں جو ان دو حالتوں میں پیدا ہوئے یا جو اسلام لانے سے پہلے غلام تھے۔

مسلمانوں میں ہمیشہ غلاموں کی تعداد کم کرنے کے رجحانات موجود رہے ہیں اول تحریر یعنی آزاد کرنے سے، دوم فطرت انسانی کا لحاظ کرتے ہوئے۔ چونکہ شریعتِ اسلام کے مطابق ہر بچہ پیدائش کے وقت عموماً ماں کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے چاہے وہ غلام ہو یا آزاد۔ ہاں مگر اس قانون میں ایک استثناء موجود ہے جس کی اہمیت اس کی ہمہ گیری کے سبب اور بڑھ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر باپ آزاد اور ماں مملوکہ لونڈی ہو تو بچہ آزاد سمجھا جائے گا کیونکہ بہر حال بچہ اپنے باپ سے پہچانا جاتا ہے اور اگر اس بچے کو پیدائشی غلام تصور کر بھی لیا جائے تو کس کا؟ اپنے باپ کا یا ماں کا؟ یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں تو یقیناً بچہ آزاد ہے۔ مجموعی طور پر یہ امر باعث مسرت ہے کہ فقہاء غلامی کو ایک مستثنیٰ حالت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان کی اصل آزادی ہے۔ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ لقیط (وہ بچہ جو کہیں پڑا ملے) جس کی اصل نسل معلوم نہ ہو سکے تو وہ بچہ آزاد ہی سمجھا جائے گا۔[2] بہر حال غلامی کی اس ایک صورت کے علاوہ باقی تمام کو اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے اور ان کی مذمت کی ہے اور ان کے خاتمے کے لیے مؤثر اقدام کیے ہیں۔

دینِ اسلام میں غلاموں کے حقوق و مراعات

دینِ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے حقوق العباد میں والدین، رشتہ دار، دوست احباب اور دوسرے تمام متعلقین کے ساتھ ساتھ بڑے ہی واضح اور قطعی انداز میں غلاموں کے حقوق بھی مقرر کر دیے ہیں۔ اور یہ بھی کہہ دیا ہے کہ جس طرح انسان دوسرے تمام حقوق کی عدم ادائی کی صورت میں گنہگار ہو گا ویسے ہی غلاموں کے بارے میں بھی اس سے پوچھ گچھ ہو گی۔ اسلام نے غلاموں کو جن حقوق سے سرفراز کیا ان کا مختصر جائزہ درج ذیل

1۔ معارف القرآن، ج7، ص:22

2۔ اسلام اور غلامی، ص:79

ہے۔

1۔دور نبوی ﷺ کے سب غزوات دفاع و تبلیغ حق کے لیے تھے نہ کہ مالِ غنیمت یادوسری دنیاوی اغراض کے لیے۔ان غزوات اور سرایامیں بعض اوقات فریق مخالف کے کچھ لوگ گرفتار ہو کر آتے حضور اکرم ﷺ ان کے ساتھ مصالحانہ برتاؤ فرماتے۔

غزوہ بدر میں کفار کے ستر کے قریب لوگ مارے گئے اور تقریباً اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ان میں اسلام کے بہت بڑے دشمن نضر بن حارث اور عتبہ بن ابی معیط بھی تھے۔نضر بن حارث اپنے اشعار میں حضوراکرم ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھاجبکہ عتبہ بن ابی معیط اپنی غلط حرکات سے اکثر حضور اکرم ﷺ کو اور مسلمانوں کو پریشان کیے رکھتا تھا۔یہی شخص تھا جس نے مکہ میں حضور اکرم ﷺ کے اوپر نماز کے دوران اوجھڑی ڈال دی تھی۔حضور اکرم ﷺ نے ان دونوں کے قتل کا حکم دے دیا کیونکہ یہ امن عامہ کے لیے بہت بڑا خطرہ تھے۔باقی قیدیوں میں سے جو فدیہ ادا کرنے کی طاقت رکھتے تھے انہیں فدیہ لے کر رہا کر دیا جو پڑھے لکھے تھے انہیں دس دس مسلمان بچوں کو پڑھانے کے عوض آزاد کر دیا گیا اور جو ایسے تھے جو نہ فدیہ دے سکتے تھے اور نہ پڑھے لکھے تھے انہیں ویسے ہی احسان کے طور پر آزاد کر دیا گیا۔

غزوہ بنی قینقاع مدینہ کے یہودی قبیلے بنی قینقاع کی خلاف لڑا گیا۔اس کا سبب غزوۂ بدر میں یہودیوں کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی تھا۔پندرہ دن کے حضور اکرم ﷺ کے محاصرے کے بعد بالآخر اس امر پر اتفاق ہوا کہ یہودی اپنے بچوں اور عورتوں کے ساتھ نکل جائیں،ان کے تمام اسیر انِ جنگ کو مسلمان رہا کر دیں۔چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اس پر عمل کرتے ہوئے ان کے قیدی رہا کر دیے اور انہیں اپنے عیال کے ساتھ مدینہ چھوڑ دینے کی ہدایت کی۔فتح مکہ کے بعد ہوازن وثقیف کے رؤساء نے بغاوت کر دی۔حضور اکرم ﷺ نے اس بغاوت کے فرو کا ارادہ فرمایا۔لڑائی میں عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمادیا۔چھ ہزار اشخاص گرفتار ہوئے۔ہوازن کا ایک وفد جس کا سردار زہیر تھا اس نے آپ ﷺ سے قیدیوں کے متعلق عرض کی کہ یارسول اللہ آپ ﷺ ان پر احسان فرمائیں۔آپ ﷺ نے ان تمام جنگی قیدیوں کو آزاد کر دیا۔عورتیں اور بچے بھی واپس کر دیے اور ہر قیدی کو ایک قبطی کپڑا دیا۔

غزوہ طائف میں تقریباً بیس دن تک محاصرہ رہالیکن شہر فتح نہ ہو رہا تھا آخر کار آپ نے محاصرہ ختم فرمادیا اور یہ منادی کروادی کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر نیچے آئے گا وہ آزاد ہو گا۔طائف کا ایک وفد آپ ﷺ کے پاس آیا اور ان غلاموں کے لوٹانے کا مطالبہ کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوٹائے نہیں جاسکتے کیونکہ وہ خدا کے آزاد کردہ

ہیں۔[1]

2۔ انسان کے لیے سب سے زیادہ قیمتی اور عزیز اس کی جان ہے مگر غیر مسلم اقوام کے نزدیک غلام کی جان جانوروں کی جان سے زیادہ اہمیت نہ رکھتی تھی وہ اگر قتل کر دیا جاتا تو کوئی قاتل سے باز پرس کرنے والا نہ تھا۔[2] اسلام کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ اس معاملے میں اس نے آزاد اور غلام دونوں کو یکساں کر دیا لہذا جس طرح آزاد کا قاتل واجب القصاص ہے ویسے ہی غلام کا قاتل بھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے ان پر فرض کر دیا کہ نفس کے بدلے میں نفس ہی دیا جائے۔[3]تم پر خون کا بدلہ خون لینا فرض کر دیا گیا ہے۔[4]قرآن کریم کی یہ دونوں آیتیں مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حر کا قصاص حر اور عبد دونوں سے لیا جاسکتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ عبد کا قصاص بھی حر اور عبد دونوں سے لینا جائز ہے۔ اس عمومی مفہوم ہی کی بناء پر فقہاء احناف کا اس پر اتفاق ہے کہ "یقتل الحر باالعبد والعبد بالحر" حر کو عبد کے بدلے اور عبد کو حر کے بدلے میں قتل کر دیا جائے۔"[5] یہ بات آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ المسلمون تتکافأ دمائھم یعنی تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔[6]

3۔ اسلام سے قبل غلام اپنے مالک کی طرف سے جنگوں میں شرکت کرتے تھے اور ان کا مال غنیمت میں سے جو حصہ ہوتا تھا وہ ان کے مالکوں کا حصہ تصور ہوتا تھا۔ اسلام نے اس تفریق کا خاتمہ کر دیا اور مال غنیمت میں غلام کو حر کے برابر حصہ دیا کیونکہ یہی انصاف کا تقاضا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: اے لوگو جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار بنو۔[7] حضرت ابو بکر بیت المال کی تقسیم میں برابری کرتے تھے مثلاً سابقین و اولین اور اسلام قبول

---

[1]۔ اشرف، آغا۔ اسلام اور غلامی، ص:148

[2]۔ امیر علی، سید،، فتاوی عالمگیری مترجم، حامد اینڈ کمپنی، مدینہ منزل اردو بازار لاہور، س ن ،2:3

[3]۔ المائدہ49:5۔ البقرہ178:2

[4]۔ جصاص، ابو بکر، احمد بن علی، الرازی، علامہ، احکام القرآن، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، طبع اول 1999ء،157:1

[5]۔ ایضاً

[6]۔ بہنسی، احمد فتحی، ڈاکٹر، القصاص فی الفقہ الاسلامی، مترجم: مولانا سید عبد الرحمن بخاری، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ لاہور، ص:78

[7]۔ النساء135:4

کرنے کے اعتبار سے اور آزاد میں اور غلام میں اور مرد اور عورت میں یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ بیت المال سے جو وظائف تقسیم کرتے تھے ان میں بھی آزاد اور غلام کی تفریق نہ کرتے تھے۔[1] حضرت عمرؓ نے اہل موالی کی مردم شماری کرائی اور ان کے وظیفے مقرر کیے۔ ایک روایت میں اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے ہر نفس مسلمہ کے لیے ہر مہینے میں دو مد (ایک پیمانہ) گیہوں اور دو قسط زیتون کے اور دو قسط سرکہ کے مقرر کر دیئے ہیں اس پر ایک شخص نے پوچھا والعبد یعنی کیا غلام کو بھی اتنا ہی ملے گا فرمایا نعم والعبد ہاں غلام کو بھی۔[2] سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو یہ کہتے سنا کہ اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہر ایک کا اس بیت المال میں حصہ ہے اور اس معاملے میں کسی کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی تقسیم کے مطابق چلنا ہو گا۔ نیز ہر ایک کے اسلامی کارناموں، اس کی دولتمندی، ضرورت اور قدیم اسلام لانے کے تعلقات کا لحاظ کرنا ہو گا۔ خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صفاء کے ایک چرواہے کو اس کا حصہ وہیں بیٹھے بیٹھے ملے گا۔[3]

4۔ انسانیت کے حقوق میں سے ایک حق شادی کا بھی ہے اسلام سے پہلے لوگ اپنے آرام و آسائش کی خاطر غلاموں اور باندیوں کو اس حق سے محروم رکھتے تھے۔ عرب میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو بعض اوقات غلاموں کی شادیاں کروا دیتے تھے لیکن پھر جب چاہتے میاں بیوی میں مفارقت کروا دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو انتہائی ناپسند فرمایا ہے اور دین اسلام میں انہیں ان کے اس بنیادی حق سے سرفراز کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ : تم اپنی غیر شادی شدہ عورتوں اور اپنے غلاموں اور باندیوں کا نکاح کرو۔[4] قاضی بیضاوی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

وفیه دلیل علی وجوب تزویج المولیة والمملوک.[5]

---

[1]۔ اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص:161

[2]۔ ایضا، ص:162

[3]۔ الطبری، ابن جعفر بن جریر، علامہ، تاریخ طبری، مترجم: حافظ سید رشید احمد ارشد، حصہ سوم خلافت راشدہ، نفیس اکیڈمی بلاسس اسٹریٹ کراچی، دسمبر 1967ء،2:203

[4]۔ النور 32:24

[5]۔ البیضاوی، عبداللہ بن عمر، ناصر الدین ابی الخیر، انوار التنزیل و اسرار التاویل، شرکۃ مکتبہ و مطبعۃ مصطفٰی البانی الحلبی و اولادہ بمصر، الطبعۃ الاولیٰ، 1358ھ، 2: 99

"اور اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ غلام اور باندی کا نکاح کرنا واجب ہے۔"

یہ بھی ضروری نہیں کہ غلام کا نکاح صرف باندی سے ہی ہو سکتا ہے غلام آزاد اور شریف عورت سے بھی نکاح کر سکتا ہے۔خود حضور اکرم ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کروایا اور جب دونوں کا نباہ نہ ہو سکا تو خود حضرت زینبؓ سے عقد فرمایا۔[1]

اسی طرح ایک باندی بھی ایک آزاد شخص سے نکاح کر سکتی ہے اس کے لیے بھی نبی اکرم ﷺ نے کئی ایک مثالیں چھوڑی ہیں مثلاً آپ ﷺ نے حضرت جویریہؓ سے نکاح فرمایا جو ثابت بن قیس کی جاریہ تھیں اور انہوں نے ثابت سے کتابت کر لی تھی حضور اکرم ﷺ نے خود ان کی طرف سے بدل مکاتبت ادا کیا اور آزاد ہونے کے بعد ان سے عقد فرمایا۔[2] حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے بنو بیاختہ کے کسی خاندان میں رشتہ کرنا چاہا، نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو پسند فرمایا اور اس خاندان والوں سے فرمایا کہ وہ اس رشتہ کو منظور کر لیں۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم اپنی بیٹیوں کے نکاح غلاموں سے کر دیں؟[3]

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

"اے لوگو! ہم نے تم کو مردوں اور عورتوں سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف گروہوں اور قبیلوں میں اس لیے بانٹ دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مستحقِ کرامت وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے تحقیق اللہ ہی جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔"[4]

اور صرف یہی نہیں کہ آقا پر غلام یا باندی کا نکاح کرنا ضروری ہے بلکہ حدیث صحیح میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی باندی کو اچھی تعلیم و تربیت دے اور پھر اس کو آزاد کر کے خود اس سے نکاح کر لے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں۔[5]

5۔ غیر مسلم قوموں میں غلام کو یہ جرات نہ تھی کہ وہ اپنے مولیٰ کے کسی فعل پر نکتہ چینی کر سکتے خواہ وہ بات کتنی ہی جائز اور درست ہو۔ اگر کسی غلام سے کبھی ایسی کوئی حرکت سرزد ہو جاتی تو اس پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا

---

[1]۔ سعید احمد ایم اے، مولانا، غلامان اسلام، مکتبہ القریش، چوک اردو بازار لاہور، سن اشاعت 1997ء، ص:38

[2]۔ احمد سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص:165

[3]۔ تفسیر ابن عباس مع لباب النقول فی اسباب النزول، مترجم عابد الرحمن صدیقی کاندھلوی، کلامی کمپنی مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی، 254:3

[4]۔ الحجرات 13:49

[5]۔ تھانوی، اشرف علی، مولانا، تفسیر ابن عباس (مترجم)، کلام کمپنی مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی، 254:3

جاتا۔ لیکن اسلام نے انسانیت کے ناتے آزاد اور غلام تمام لوگوں کو فکری و قولی آزادی کی جس نعمت سے نوازا ہے اس کی دنیا میں کہیں کوئی مثال نہیں۔ اسلام نے غلام کو یہ حق دیا ہے کہ وہ بغیر کسی خوف و ہراس کے اپنے آقا کے غلط فعل پر نکتہ چینی کرے اور ایسا کرنا نہ صرف اس کے لیے جائز بلکہ موجب اجر و ثواب ٹھہرایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: غلام اپنے آقا کو نصیحت کرے اور اللہ کی عبادت بھی اچھی طرح بجالائے تو اس کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو جب آزاد کیا گیا تو وہ رو پڑے لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا: پہلے میرے لیے دو اجر تھے اب ایک ہی رہ گیا۔[1]

6۔ قرآن کریم میں جن جن لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے ان لوگوں میں غلام کا ذکر بھی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> "اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو، اور قرابت والوں یتیموں، محتاجوں، پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں اور جو لونڈی غلام تمہارے قبضے میں ہیں ان سب کے ساتھ حسن سلوک کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اترائیں اور بڑائی مارتے پھریں۔[2]

زید بن حارثہؓ حضور اکرم ﷺ کے غلام تھے جو نزول وحی سے بھی پہلے آپ ﷺ کے پاس رہتے تھے۔ آپ ﷺ کا برتاؤ ان کے ساتھ اس قدر کریمانہ تھا کہ لوگ عموماً ان کو زید بن محمد کہتے تھے۔ خود زیدؓ کو بھی آپ ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ جب ان کے خاندان کے لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو واپس کرنے کی درخواست کی تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔[3]

7۔ کسی غلام کو مارنے پیٹنے کا سوال تو دور رہا صحابہ کرام غلاموں اور لونڈیوں کو برا کلمہ تک کہنے سے بھی گریز کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے ایک دوست کے گھر گئے دوست اس وقت گھر پر موجود نہ تھا۔ حضرت ابن مسعود نے دوست کی بیوی سے پانی طلب کیا انہوں نے اپنی لونڈی کو بھیجا کہ پڑوس میں سے دودھ لے آئے۔ اتفاقاً اس لونڈی کو آنے میں دیر ہو گئی اس عورت نے غصہ میں آکر لونڈی کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور اس پر لعنت کی۔ حضرت ابن مسعودؓ یہ سن کر فوراً وہاں سے واپس آ گئے دوست سے ملاقات پر اس نے نہ

---

[1]۔ اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص:168

[2]۔ النساء4:36

[3]۔ ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت، 1377ھ، 3:42

رکنے کا سبب دریافت کیا تو کہا کہ آپ کی بیوی نے لونڈی پر لعنت کی حالانکہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر لعنت اس شخص کو کی جائے جو اس کا مستحق نہ ہو تو لعنت لوٹ کر لعنت بھیجنے والے پر ہی پڑتی ہے۔ اس بناء پر مجھ کو خوف ہوا کہ شاید باندی معذور ہو اور وہ لعنت آپ کی بیوی پر لوٹ کر آئے جس کا سبب میں بن جاؤں لہذا میں اس خدشہ کے باعث لوٹ آیا۔[1]

8۔ از روئے احکام فقہ غلاموں کے لیے حدود و عقوبات بہ نسبتِ احرار کے نصف ہیں گویا جس جرم کی پاداش میں ایک آزاد کو 80 کوڑے کی سزا ہو سکتی ہے وہی جرم اگر غلام سے سرزد ہو جائے تو 40 کوڑے لگیں گے۔ شاہ ولی اللہ اس بارے میں کہتے ہیں: اگر غلاموں کے لیے انتہائی سزا (جو آزاد کے لیے ہے) شروع کر دی جائے تو اس سے ظلم و جَور کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس طرح اگر ایک آقا اپنے غلام کو قتل کر دے اور بہانہ یہ کرے کہ اس نے زنا کیا تھا تو پھر اس سے تو کوئی باز پرس بھی نہ ہو گی۔ اسی بناء پر غلاموں کے لیے حدود کو اس حد تک کم کر دیا گیا کہ ہلاکت پر منتج نہ ہوں۔[2]

صحابہ کرام اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے کہ کہیں غلام کو محض غلام ہونے کی وجہ سے زیادہ سزا نہ مل جائے۔ ایک غلام نے ایک باغ سے کھجور کا خوشہ چرا لیا۔ باغ کے مالک نے غلام کے آقا مروان بن حکم سے اس کی شکایت کی اس نے اپنے غلام کو قید کر دیا اور چاہا کہ اس پر حد سرقہ نافذ کرے۔ وہ رافع بن خدیج کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام معاملہ کہہ سنایا اس پر انہوں نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ: پھل کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ یہ سن کر رافع بن خدیج نے اس آقا سے کہا کہ پھر آپ ذرا یہ حدیث مروان بن حکم کو بھی سنا دیجیے۔ حضرت رافعؓ مروان کے پاس گئے اور یہ حدیث ان کے گوش گزار کی تو انہوں نے غلام کو فوراً رہا کر دیا۔[3]

9۔ اسود بن ابی زید سے روایت ہے کہ جب کوئی وفد حضرت عمرؓ کے پاس آتا تھا تو آپ اس سے دریافت کرتے تھے کہ تمہارے علاقے کا گورنر کیسا ہے؟ وہ کہتے کہ بہت اچھا آدمی ہے۔ پھر دریافت کیا کرتے کہ: وہ تمہارے بیماروں کی عیادت کرتا ہے یا نہیں؟ وہ جواب دیتے: جی ہاں۔ آپ پھر پوچھتے: غلاموں کی عیادت کرنے بھی جاتا ہے یا نہیں؟ وہ کہتے کہ ہاں جاتا ہے۔ پھر پوچھتے کہ ضعیفوں اور کمزوروں کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہے؟

1۔ العمادی، عبد اللہ، علامہ، طبقات ابن سعد مترجم، نفیس اکیڈمی و مسعود پبلیشنگ ہاؤس سٹریچن روڈ کراچی، 1977ء 238:3

2۔ شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، دار الاشاعت اردو بازار کراچی، س ن ، 160:2

3۔ اسلام اور غلامی، ص: 51

ان غریبوں کو اس کے دروازے پر بیٹھنے کی اجازت بھی ہے یا نہیں۔ اگر ان تمام سوالوں کا جواب اثبات میں دیتے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے معزول کر دیتے تھے۔[1]

10۔ اسلام میں امامتِ نماز بہت بڑا اشرف و امتیاز ہے۔ جب تک رسول اکرم ﷺ حیات رہے خود نماز پڑھاتے رہے اخیر وقت میں یہ فریضہ حضرت ابو بکرؓ کے سپرد کر دیا۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ابو حذیفہ کے غلام سالمؓ نماز میں امامت کرواتے تھے اور آپؓ کی اقتداء میں مہاجرین اولین جن میں حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، ابو سلمہؓ، زیدؓ اور عامر بن ربیعہؓ بھی شامل ہوتے تھے۔ وہ ایک غلام کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے۔[2] حضرت عمرؓ نے جب حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو کوفہ کا قاضی بنا کر بھیجا تو عمار بن یاسرؓ کو جو آزاد کردہ غلام تھے کوفہ کا امامِ نماز اور سالارِ فوج بنایا۔[3]

11۔ اگر غلام اپنے آقا کو رب کہے یا آقا اپنے غلام کو عبدی، ان دونوں سے ڈر اور تکبر کی بو آتی ہے اس لیے حضور اکرم ﷺ نے ان ناموں کو ناپسند فرمایا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ تم میں سے کوئی میرا غلام یا میری لونڈی نہ کہے اور نہ غلام یا لونڈی مالک کو میرا رب کہے۔[4]

اسلام میں غلاموں کے لیے جو نام اور الفاظ استعمال ہوتے ہیں ان سے بخوبی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے غلام کو وہ تمام حقوق عطاء کیے ہیں جو ایک انسان ہونے کے ناطے اس کا حق ہیں ایسے القابات مثلاً مولیٰ، فتیٰ اور خادم مذکر کے لیے جبکہ جاریہ، فتاۃ اور امۃ مونث کے لیے آئے ہیں۔ صرف "عبد" ہی ایک ایسا لفظ ہے جو حر کے مقابل بولا جاتا ہے لیکن اول تو حضور اکرم ﷺ نے غلام کو اس لفظ کے ساتھ پکارنے سے منع فرمایا اور دوسرا یہ کہ عبد کو اللہ کی طرف مضاف کر کے اصرار پر بھی بولتے ہیں۔[5]

اسلام میں غلام آزاد کرنے کی تدابیر

اسلام میں چونکہ آزادی کو اصل مانا گیا ہے لہذا مختلف انداز میں مسلمانوں کو غلام آزاد کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اس مقصد کے لیے کچھ مواقع ایسے رکھے گئے ہیں کہ جن کے ذریعے غلام خود اپنے آقا سے آزادی

---

[1]۔ العمادی، طبقات ابن سعد، ص:184

[2]۔ احمد سعید، اسلامی میں غلامی کی حقیقت، ص:190

[3]۔ ایضاً

[4]۔مسلم، صحيح مسلم ،كتاب السلام، باب حكم اطلاق لفظة العبد والأمة، رقم الحديث ،2249

[5]۔سنن أبي داؤد،كتاب الادب، رقم الحديث: 701

حاصل کر سکتا ہے جبکہ کچھ معاملات واسباب ایسے ہیں کہ جہاں مسلمانوں کو کسی گناہ وجرم کے ازالہ و کفارہ کے طور پر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ ذرائع درج ذیل ہیں:

1۔ **مکاتبت:** جس طرح شریعت اسلام میں عورتوں کے لیے خلع کا حق رکھا گیا ہے بالکل اسی طرح غلاموں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آقا سے مکاتبت کر لیں، یعنی غلام خود کہے یا اس کا آقا یہ کہہ دے کہ وہ اتنے پیسے کما کر آقا کو ادا کرے اور پھر آزاد ہو جائے۔[1] قرآن کریم میں زکوۃ کے آٹھ مصارف بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک گردنیں آزاد کروانا ہے۔[2] اور اس مصرف کی بہترین شکل یہی ہو سکتی ہے کہ جو غلام مکاتبت کر چکے ہوں ان کی طرف سے مقررہ رقم ادا کر کے انہیں آزادی کی نعمت سے سرفراز کیا جائے۔[3]

2۔ **مدبر:** بعض لوگ اپنی معاشی ضرورتوں اور کچھ دوسرے معاملات کی وجہ سے غلام آزاد نہیں کرنا چاہتے تو ایسے لوگوں کے لیے اسلام نے یہ سہولت رکھی ہے کہ وہ غلام کے لیے کچھ ایسی تدابیر پیدا کر دیں جو ان کی آزادی کے لیے راہ ہموار کر سکیں۔ یعنی کچھ ایسا طریقہ اختیار کریں کہ ان کی ضرورتوں کا بھی حرج نہ ہو اور غلام آزادی سے بھی محروم نہ رہے۔ ایسی کسی تدبیر کے ذریعہ آزادی حاصل کرنے والے کو مدبر کہتے ہیں۔[4]

3۔ **آقائی وصیت:** اس سے مراد یہ ہے کہ آقا اپنی زندگی میں تو غلام کو آزاد نہ کرے لیکن یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے، اس چیز کو تدبیر کہتے ہیں۔ بظاہر تو آقائی وصیت اور تدبیر ایک ہی چیز معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ وصیت سے رجوع کیا جا سکتا ہے یعنی وصی اسے تبدیل کر سکتا ہے لیکن تدبیر کو واپس یا تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس تدبیر کے بعد آقا اپنی زندگی میں پھر اس غلام کو نہ تو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ۔[5]

4۔ **ام ولد:** اصطلاح شرع میں ام ولد اس جاریہ کو کہتے ہیں جس کے بطن سے اس کے آقا کا بچہ پیدا ہو۔ ایسی

---

[1]۔ فتاوی عالمگیری، حامد اینڈ کمپنی مدینہ منزل اردو بازار، لاہور، 396:2

[2]۔ التوبہ 60:9

[3]۔ لیلہ بختیار، اسلامی شریعت کا انسائیکلو پیڈیا، مترجم: یاسر جواد، نگارشات پبلشرز حبیب ایجوکیشنل سنٹر، 24 مزنگ روڈ لاہور 2008ء

[4]۔ عاشق الٰہی، مفتی، عبادات و معاملات سے متعلق بنیادی فقہی احکام، مترجم مولانا عبدالغنی طارق، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی 2001ء، 93:2

[5]۔ فتاوی عالمگیری، 491:9

لونڈی کے بارے میں ہے کہ اس کا بچہ اسے آزاد کرا دیتا ہے۔[1] جیسا کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے کہ جب ان کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بیٹے نے اس کو آزاد کرا دیا۔[2] فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دو لوگوں کو جن میں سے ایک کافر ہو اور دوسرا مسلمان ایک بچہ کہیں پڑا ملے اور اس کے متعلق مسلمان کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ میرا غلام ہے جبکہ کافر اسے اپنا بیٹا کہتا ہو تو وہ بچہ اس کافر کو دے دیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کو دیا گیا تو وہ غلام ہو جائے گا اور اگر کافر کو دیں تو وہ آزاد ہو گا اور چونکہ اسلام میں آزادی اصل ہے لہٰذا اس کی آزادی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کافر کے دعویٰ کو مسلمان پر فوقیت دی جائے گی۔ لقیط اٹھانے والے کا مملوک نہ ہو گا بلکہ سلطان وقت اس کا ولی تصور کیا جائے گا۔ اس کا نفقہ اور جرم کا جرمانہ بیت المال پر ہو گا۔[3] جبکہ حضرت عمر کے مطابق لقیط کی ولاء اٹھانے والے کے ذمے اور اخراجات بیت المال یعنی حاکم وقت کے ذمے ہوتے ہیں۔[4]

5۔ **ولاء:** آزاد ہونے کے بعد غلام اور اس کے آقا کا تعلق یک لخت منقطع کر دینا کچھ نامناسب محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام نے غلام کے آزاد ہونے کے بعد بھی اس چیز کا لحاظ رکھا ہے کہ وہ جب تک چاہے اپنی مرضی سے اپنے آقا کے پاس رہ سکتا ہے۔ آقا اور غلام کے تعلق کو غلام کے آزاد ہونے کے بعد بھی ایک مخصوص طریقہ سے باقی رکھا گیا ہے۔ اسی چیز کو شرعی اصطلاح میں "ولاء" کا نام دیا گیا ہے۔ ایسے آزاد کردہ غلام مولیٰ کہلائے۔[5] جیسے حضرت زید بن حارثہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ آپ نے انہیں مکمل آزاد کر دیا لیکن وہ اس کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور زید بن حارثہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہلائے۔[6]

متعدد گناہوں کے کفارے کے طور پر بھی اسلام میں غلام آزاد کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ مثلاً

1۔ **کفارہ قتل خطا:** اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر واجب ہے کہ وہ ایک غلام آزاد

1۔ عاشق الٰہی، مفتی، عبادات و معاملات سے متعلق بنیادی فقہی احکام، 94:2

2۔ العمادی، عبد اللہ، علامہ، طبقات ابن سعد مترجم، حصہ ہشتم، ص:297

3۔ فتاویٰ عالمگیری، 485:7

4۔ قلعہ جی، رواس، محمد، ڈاکٹر، فقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، مترجم: ساجد الرحمٰن صدیقی، ادارہ معارف اسلامیہ منصورہ لاہور، 1994ء، 594:2

5۔ مترجم، فتاویٰ عالمگیری، 452:7

6۔ العمادی، عبد اللہ، علامہ، طبقات ابن سعد مترجم، 103:7

کرے اور اگر کوئی کسی مسلمان کو خطاً قتل کر دے تو اس پر واجب ہے کہ ایک غلام آزاد کرے اور مقتول کے ورثاء کو دیت دے مگر اس وقت جبکہ وہ معاف کر دیں۔(1)

2۔ **کفارہ ظہار:** اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی محرمات یعنی ماں یا بہن سے تشبیہ دے دے جسے شریعت اسلام میں "ظہار" کہتے ہیں تو کفارہ کے طور پر وہ یا تو ایک غلام آزاد کرے یا پھر ساٹھ دن کے روزے رکھے یا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ان تینوں میں سے اولیت غلام آزاد کرنے کو ہی دی گئی ہے۔(2)

3۔ **کفارہ یمین**

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَٰنَ فَكَفَّٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾

"اگر کوئی شخص کسی بات کی قسم کھالے اور پھر اس کو توڑنا چاہے یا جان بوجھ کر توڑ دے تو اس کو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہو گا اور وہ یہ ہے کہ وہ متوسط درجہ کا کھانا دس مسکینوں کو کھلائے یا ان کو کپڑے مہیا کر دے یا ایک غلام آزاد کرے۔(3)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ نزع میں تھے اور زبان ہلانا مشکل تھا یہ تھی کہ:الصلاة الصلاة اتقوا الله فيما ملكت أيمانكم۔۔۔ علماء اگرچہ "ماملكت أيمانكم" سے غلامی ہی مراد لیتے ہیں مگر یہ جملہ اپنے اندر وسیع مفہوم لیے ہوئے ہے۔ اگر صرف اصطلاحی غلام ہی مراد ہوتے تو اس کے لیے عبیدکم یا موالیکم کے الفاظ بھی آسکتے تھے۔ ماملکت ایمانکم کے لفظی معنی ہیں وہ چیز جس کے مالک تمھارے داہنے ہاتھ ہیں۔ اردو میں اس کا بہترین ترجمہ زیر دست ہو سکتا ہے۔ دفاتر میں ہر چھوٹا عہدیدار بڑے کا زیر دست ہو تا ہے، کارخانوں میں مزدور مالک کے زیر دست ہیں، زمینوں میں مزارع زمیندار کے، غریب طبقہ سرمایہ دار و جاگیر دار کا، تو بیوی شوہر کی۔ اس طرح یہ حدیث گویا ہر مسلمان کے لیے وصیت نبوی ہے کہ وہ اپنے زیر دست وماتحت کا خیال رکھے۔

---

[1]۔ النساء92:4

[2]۔ المجادلہ2:58۔4

[3]۔ المائدہ89:5

دورِ جدید میں غلامی کی مختلف اشکال

1۔ قرضہ کی بنیاد پر جبری مشقت کروانا۔ انٹر نیشنل لیبر آرگنائزیشن کے کنونشن میں جبری مشقت کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ یہ وہ مشقت ہے جو پیشگی رقم کے عوض لی جاتی ہے۔ اس پر تمام ممالک نے دستخط کر کے اس کی توثیق کی ہے۔ اس کی مثال ہمارے ہاں گھریلو ملازمین یا بھٹوں پر کام کرنے والے مزدور ہیں۔ حکومت کو اس شعبے میں نئے سرے سے قانون سازی کرنے کی ضرورت ہے۔

2۔ جاگیر دارانہ نظام میں جاگیر داروں کے کھیتوں میں نسل در نسل کام کرنے والے زرعی کسان۔ (Serfdeum)

بعض مسلمان ممالک میں انتہائی ظالمانہ جاگیر دارانہ نظام رائج ہے جہاں کسانوں کو ہر قسم کے حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ زرعی کسانوں کی اس زبوں حالی کو صوبہ سندھ کے جاگیر دارانہ نظام میں دیکھا جا سکتا ہے۔

3۔ معاوضہ کے عوض میں شادی کے نام پر بچیوں کی سپردگی (Servile Marriage)

عالمِ اسلام کے کئی ممالک بشمول پاکستان کے مخصوص علاقوں اور قبائل میں شادی کے نام پر بچیوں کو فروخت کر دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں مختلف جرائم مثلاً قتل وغیرہ کی صلح کے لیے مالی جرمانہ کے ساتھ ساتھ بیٹی یا بہن کا رشتہ بھی دیا جاتا ہے جو پنجاب میں ونی، خیبر پختون میں سوارا، سندھ میں سنگ چٹی اور بلوچستان میں ارجائی کے نام سے رائج ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اشرف [1] نے اپنی کتاب "اسلام اور بنیادی انسانی حقوق" میں جدید دور میں غلامی کی بہت ساری اشکال تحریر کی ہیں جن میں بچوں کی مشقت اور مزدوری اس طرح انسانی سمگلنگ مردوں اور عورتوں کو مختلف ممالک میں جبری مزدوری اور جنسی مقاصد کے لیے سمگل کیا جانا ہے اور ان سے ذاتی مقاصد حاصل کرنا شامل ہے جیسے خوف وہراس پھیلانا، دہشت گردی وغیرہ۔

خلاصہ بحث

اسلام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر یہ واقعی کوئی سچا مذہب ہوتا اور اس کا اصل مقصد انسانیت کا فروغ ہوتا تو یہ غلامی کے ادارے کو ختم کرتا لیکن ختم کرنا تو درکنار اس نے اسے معاشرے کا ایک لازمی جز قرار دے کر اس کے لیے مستقل احکام دیے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید نے اپنی تعلیمات کے ذریعے سے اپنے پیغمبر کو ایسے

[1] ۔ حافظ محمد اشرف، پروفیسر، اسلام اور بنیادی انسانی حقوق، پنجاب یونیورسٹی پریس، لاہور 2013ء، ص:223

احکام دیے اور پیغمبر نے ان ہدایات کو ایسے عملی اقدامات میں ڈھالا کہ غلامی کے ادارے کے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جانے کی راہ ہموار ہو گئی۔ سب سے پہلے تو یہ جان لیں کہ اسلام نے غلامی کی ابتدا نہیں کی بلکہ یہ پہلے سے موجود تھی۔ جب رسول اللہ مبعوث ہوئے تو دوسری اخلاقی برائیوں کی طرح یہ بھی پورے عروج پر تھی۔ الہامی شریعت کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ معاشرتی برائیوں کی اصلاح بتدریج آہستہ آہستہ کرتی ہے۔ اللہ کے نبی پہلے لوگوں کے نظریات، عقائد اور سوچ میں تبدیلی لاتے ہیں یعنی ذہنوں کو اس تبدیلی کے لیے تیار کرتے ہیں جیسا کہ شراب کی حرمت کے تدریجی احکام۔ یہی حکمت عملی قرآن کریم نے غلامی کی رسمِ بد کو ختم کرنے کے لیے اختیار کی۔

اسلام نے مساوات انسانی کا تصور دے کر یہ واضح کیا کہ غلام بھی دوسرے انسانوں کی طرح کے انسان ہیں اور تمام انسان چونکہ اللہ کی مخلوق ہیں لہذا کسی ایک کو دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ پھر آخرت کا عقیدہ دے کر یہ وضاحت کر دی کہ تمام انسانوں کی اس دنیا میں آمد کا مقصد صرف اور صرف آزمائش ہے تا کہ اچھے برے کی پہچان ہو سکے۔ پھر ان کے حقوق بیان کیے کہ جیسا خود کھاؤ انہیں بھی ویسا کھلاؤ اور جیسا خود پہنو انہیں بھی ویسا پہناؤ اور ان سے ان کی طاقت سے بڑھ کر کام نہ لو۔ پھر اسلام نے کئی گناہوں کے کفارہ کے طور پر غلام آزاد کرنے کی ترغیب دلائی، اس کے بعد ان کے نکاح کرنے کی ہدایت فرمائی تا کہ ان کی اپنی ایک معاشرتی و ازدواجی زندگی اور حیثیت ہو۔ مصارف زکوٰۃ میں ایک مستقل مد فی الرقاب کی رکھ کر سرکاری طور پر ان کی آزادی کا انتظام فرما دیا۔

معاشرتی رویہ اور ذہن بدلنے کی غرض سے انہیں عَبد اور أَمَةٌ کے الفاظ سے پکارنے کی ممانعت کر دی۔ جنگی قیدیوں کو اگرچہ غلام بنانے کی اجازت دی جا چکی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی آزادی کی راہ نکال کر انہیں فدیہ لے کر یا احسان کے طور پر آزاد کر دینے کی ترغیب دلائی۔ ان اقدامات کے بعد بالآخر غلام نہ بنانے کی حتمی پابندی کا یہ انقلابی اور معجزاتی قانون نازل ہوا وہ یہ کہ غلام اپنے آقاؤں سے مکاتبت کر لیں۔

جناب جاوید احمد غامدی اپنی کتاب "قانون معاشرت" میں لکھتے ہیں:

> "اس میں مکاتبت کا جو لفظ استعمال ہوا ہے یہ ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا سے یہ معاہدہ کرے کہ وہ فلاں مدت میں اس کو اتنی رقم ادا کرے گا یا اس کی کوئی متعین خدمت انجام دے گا اور اسکے بعد آزاد ہو جائے گا۔ سورہ نور کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ اگر یہ معاہدہ کرنا چاہتا ہے اور نیکی اور خیر کے ساتھ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کی یہ درخواست لازماً قبول کر لی جائے۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے

کہ وہ بیت المال سے جسے یہاں اللہ کا مال کہا گیا ہے، اس طرح کے غلاموں کی مدد کریں۔ آیت کے الفاظ سے واضح ہے کہ مکاتبت کا یہ حق جس طرح غلاموں کو دیا گیا ہے، اسی طرح لونڈیوں کو بھی دیا گیا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ لوح تقدیر اب غلاموں کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی آزادی کی تحریر اس پر جب چاہیں رقم کرسکتے ہیں۔"[1]

تلخیصِ بحث

اس ساری بحث کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ جس طرح سود ایک ظالمانہ فعل ہے لیکن آج کوئی بھی اسے ظلم ماننے کو تیار نہیں بلکہ اسے رقم کا کرایہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اس زمانے میں غلامی کو بھی بالکل جائز سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے اس یک لخت ختم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس سے معاشرے میں ایک بہت بڑا فساد برپا ہو جاتا۔ لہٰذا قرآن کریم نے اسے بتدریج ختم کیا۔ قرآن کریم کے انہی تدریجی احکام کا نتیجہ ہے کہ غلام بنانے کا عمل ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ آج روئے زمین پر کہیں بھی اس جاہلی رسمِ غلامی کا وجود نہیں رہا جو طلوعِ اسلام کے وقت رائج تھی۔ بلاشبہ قرآن کریم کے یہ احکام معجزے سے کم نہیں۔

غلامی کے حوالے سے ایک اور اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اتنے زیادہ احکامات اور اصلاحات کے باوجود، مسلمانوں کی کم و بیش ہزار ہا برس کی حکمرانی میں غلامی کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی۔ بالآخر یورپ و امریکہ نے بلکہ امریکی صدر ابراہام لنکن (1809ء-1865ء) نے اسے غیر قانونی قرار دیا۔ یہ اعتراض اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن یہ کمزوری ہمارے دین اور شریعت کی نہیں بلکہ ہمارے حکمرانوں کی ہے جنھوں نے اپنی کمزور قیادت کے باعث الٰہی احکام کی اس طرح پاسداری نہ کی جس طرح کہ اس کا حق تھا اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ اعزاز جو اصل میں اسلام اور مسلمانوں کا فخر بنتا تھا ابراہام لنکن نے حاصل کر لیا ہے۔

سفارشات

1۔ اسلامی ریاستوں کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات پر مشتمل انسانی حقوق کے تصورات کو تعلیمی نصاب کا حصہ بنائے اور نسل نو کو اس سے مکمل آگاہی اور شعور باہم پہنچانے کا بندوبست کرے۔

2۔ مسلمان ممالک میں کام کرنے والی غیر سرکاری تنظیمیں (این جی اوز) اس کے خاتمہ کے لیے اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ عوامی شعوری اور بیداری پیدا کرنے میں بھی اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔

3۔ اسلامی ریاستوں کو چاہیے کہ او آئی سی کی تنظیم کو فعال اور منظم بنائیں کیونکہ اس تنظیم کے ذریعہ سے

[1] ۔ غامدی، جاوید احمد، "قانون معاشرت"

بنیادی انسانی حقوق کے ضمن میں اسلام کے نقطہ نظر کو بین الاقوامی اداروں میں مؤثر طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

4۔ریاستوں کے بنیادی ستونوں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کو اپنا کردار بھرپور انداز میں ادا کرنا۔ اس سے امت مسلمہ میں انسانی حقوق کے متعلق شعور بیدار ہو گا۔

5۔انسانی حقوق کے بین الاقوامی اداروں میں وسیع المطالعہ مسلم دانشوروں اور علما کو نمائندگی دی جائے تاکہ صحیح اسلامی تعلیمات کو پیش کیا جاسکے۔